حصہ (دوئم)

سوال نمبر 2 (الف) (i) تنگ دلی کی وجہ :-

مرزا صاحب نے اپنی پوری زندگی زمانے کے ہاتھوں ٹھوکریں کھائیں تھیں۔ زمانہ ہمیشہ ان کے حق میں ناکارساز اور ترش رو رہا جس کی بدولت مرزا صاحب تنگ دلی کا شکار ہو گئے تھے کیونکہ وہ پھر سے اپنی حالات کا سامنا کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔

سوال نمبر 2 (الف) (ii) مٹھی بند ہونا۔

"مٹھی بند ہونا" یہ استعارہ ہے کم خرچ کرنے سے۔ زمانے کی مشکلات کی بدولت مرزا صاحب کا قلم تو رواں ہوگیا مگر اس کا منفی اثر یہ ہوا کہ وہ کنجوسی کی طرف مائل ہو گئے۔

سوال نمبر2(الف) (iii)

چونکہ مصنف مرزا صاحب کی وصیت پر ان کے بارے میں لکھ رہا تھا اور ظاہری بات ہے کہ یہ ایک بڑی ذمہ داری کا کام ہے - ایک فوت شدہ شخص کے بارے لکھنا کہ وہ کنجوس تھا نہایت دلیدری کا کام ہے کیونکہ یہ اسکی "مٹی گندی کرنے" کے مترادف ہے - جبکہ مصنف ایسا کرتے ہوئے بلکل بھی نہیں ڈرے کیونکہ مصنف انکی زندگی میں بھی ان سے کہا کرتا تھا کہ "آپ کی کفایت شعاری نے بڑھتے بڑھتے کنجوسی اختیار کر لی ہے" -

حصہ (دوئم)

سوال نمبر2(الف) (iv) آمدنی اور خرچ کا تناسب :-

مرزا صاحب کی آمدنی کے مقابلہ ان کے خرچ کا تناسب نہایت ہی کم تھا - وہ ہزاروں روپے کے گریڈ میں تھے اور اس کے ساتھ ساتھ دار الترجمہ سے بھی کچھ مل جاتا تھا مگر اخراجات پوچھو تو صفر سے کچھ ہی زیادہ کیونکہ گھر میں کھانا پکانا تو تھا نہیں ، اکیلے تنے تنہا رہتے تھے - خود بھی چائے پیتے اور دوسروں کو بھی پلاتے -

---

سوال نمبر2(الف) (v) مرزا صاحب کا خوف :

مرزا صاحب ہزاروں روپے کے گریڈ میں تھے مگر زمانے کے حوادثات نے ان کو اس قدر بری طرح متاثر کیا کہ وہ کنجوس بن گئے اور ہمیشہ اپنی نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے ڈر میں رہتے تھے - گویا ان کو یہ ڈر تھا کہ ان کی نوکری چلی جائے گی -

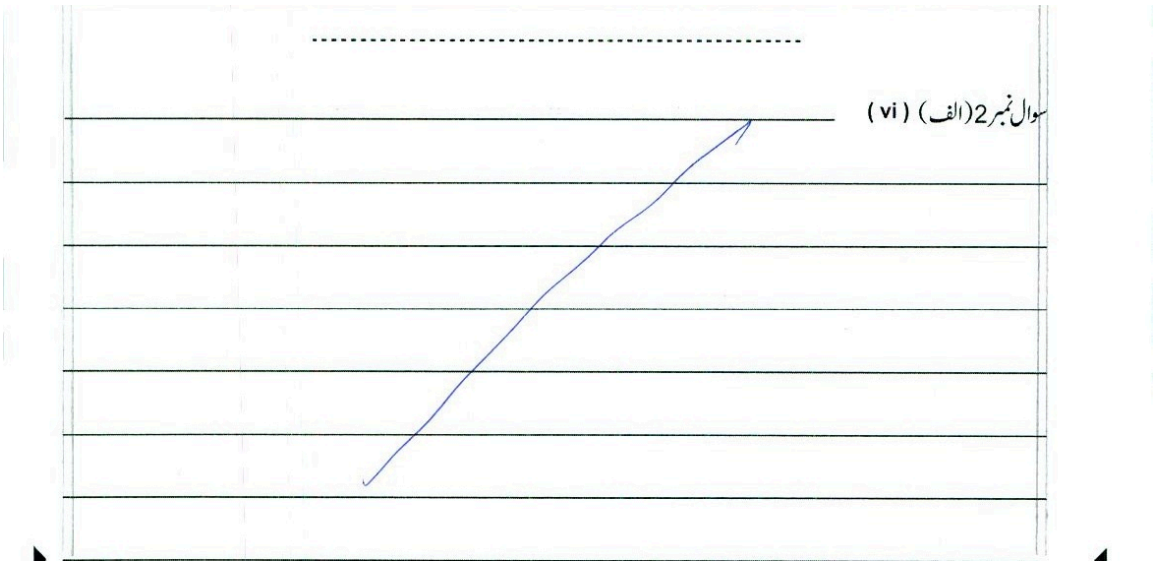
سوال نمبر2(الف) (vi)

حصہ (دوئم)

سوال نمبر2(ب) (i) خوش قسمت زندگی۔

شاعر نے سپاہی کی زندگی کو خوش قسمت زندگی کہا ہے۔ کیونکہ ایک سپاہی موت کے سائے میں بہادری سے لڑتا ہے اب اگر وہ بچ کر لوٹتا ہے تو "غازی" بن جاتا ہے اور اگر واپس نہ لوٹ سکے تو "شہید" ہو جاتا ہے۔

سوال نمبر2(ب) (ii) رزم گہ کی موت :-

رزم گہ کا معنی ہے "میدان جنگ"۔ اس سے مراد ایسی موت ہے کہ جو دشمن کے خلاف میدان جنگ میں لڑتے لڑتے آجائے۔ شاعر مزید کہتا ہے کہ ایسی موت ہی ایک سپاہی کے لیے عید کا سماں ہوتی ہے۔

سوال نمبر2(ب) (iii) وطن کی خاطر جینے اور مرنے پر خطابات

شاعر کہتا ہے کہ اگر کوئی وطن کی خاطر میدانِ جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرے اور زندہ سلامت لوٹ آئے تو پوری قوم اس پر فخر کرتی ہے اور اسکو **"غازی"** کا لقب ملتا ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ زندہ سلامت نہ لوٹ سکے پھر بھی قوم اس پر فخر کرتی ہے اور اسکو **"شہید"** کا خطاب عطا ہوتا ہے۔

حصہ (دوئم)

سوال نمبر 2(ج) (i) محبوب کی سابقہ خوبی -

شاعر کہتا ہے کہ اگرچہ میرے محبوب نے میرے ساتھ اچھے مراسم نہیں رکھے تھے مگر ہاں اتنی بات ضرور تھی جو کہ میرے لیے کافی تھی کہ جب بھی میرا محبوب مجھ کو دیکھتا تھا وہ مجھے پہچان لیا کرتا تھا -

سوال نمبر 2(ج) (ii) حیرت نہ ہونے کی وجہ :

شاعر کو حیرت اس لیے نہیں ہوئی کہ اس نے کسی چیز سے امید ہی نہیں لگائی ہوئی تھی - انسان کو حیرت اور دکھ اس وقت ہوتا ہے جب وہ لمبی لمبی امیدیں باندھتا ہے شاعر کہتا ہے کہ یہ جو تمہاری بے رخی ہے مجھ اس کا پہلے سے ہی اندازہ تھا - اس لیے مجھ کوئی بھی حیرت نہیں ہو رہی -

سوال نمبر 2(د) (i)

مجاز مرسل :

"جب کوئی لفظ اپنے حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنی میں استعمال ہو اس طرح کہ حقیقی اور مجازی معنی کے درمیان تشبیہ یا کوئی بھی تعلق نہ ہو مجاز مرسل کہلاتا ہے۔

مثال : "میدانِ جنگ میں سو سر لڑنے کے لیے آئے"۔
یہ مجاز مرسل کا علاقہ "جزء بول کر کل" مراد لینا ہے کیونکہ یہاں سر مراد نہیں بلکہ آدمی مراد ہیں۔

سوال نمبر 2(د) (ii)

مقطع :

کسی نظم یا غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرے مقطع کہلاتا ہے۔

مثال :

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لیے۔
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں۔

سوال نمبر 3 (صفحہ نمبر 1)

حوالہ متن -

سبق کا نام - "مسلمانوں کا قدیم طرزِ تعلیم"

مصنف کا نام - مولانا شبلی نعمانی

صنفِ ادب - مضمون -

سیاق و سباق :

اس سبق میں مصنف نے مسلمانوں کے قدیم طرز تعلیم کے بارے میں بتایا ہے کہ کس طرح مسلمان ہر دور میں تعلیم و تعلم کے ساتھ وابستہ رہے - پہلے دور میں سند و روایات سے شروع ہوا پھر اس میں ترقی ہوئی اور مسجد و محراب میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ اس سے فیض یاب ہونے لگے اور آخر میں کتابت کا نظام شروع ہوا اور جدید مکتب اور اسکول بنائے گئے -

تشریح :-

زیرِ نظر اقتباس "مولانا شبلی نعمانی" کے مضمون "مسلمانوں کا قدیم طرزِ تعلیم" جو "مقالاتِ شبلی" سے ماخوذ ہے لیا گیا ہے۔ مصنف اردو ادب کے نامور گرامی ادیب ہیں اور کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں - ان کی تمام خدمات قابلِ تحسین ہیں -

حصہ (سوئم)

سوال نمبر 3 (صفحہ نمبر 2)

زیرِ نظر اقتباس میں مصنف تعلیم کے دوسرے دور کے بارے میں کہتے ہیں کہ تعلیم کا یہ دور انتہائی عجیب و غریب دور تھا۔ ایک طرف تو مسلمانوں کی حکومت پھیلتے ہوئے دریائے سندھ تک آ پہنچی تھی دوسری طرف تعلیم کی ترقی کا یہ عالم تھا ہر محلہ اور ہر گاؤں میں کئی کئی مکتب، مساجد اور علماء کے حجرے تعلیم کے لیے وقف ہو چکے تھے۔ ہر ہر حلقۂ تعلیم میں کئی کئی ہزار طالب علم زیرِ تعلیم تھا۔ دوسری قوموں کا حصول تعلیم میں اس قدر شوق تھا کہ انہوں نے نحو، صرف، لغت میں عربوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ اور یہ سب کچھ حکومت کے بل بوتے پر نہیں بلکہ اپنی مدد آپ کے تحت تھا کیونکہ حکومت کی طرف سے نہ مدرسہ تھے اور نہ ہی یونیورسٹیاں قائم کی گئی تھیں۔ واقعہ یہ دور ترقی تعلیم کا ایک سنہرا دور تھا جس کے اثرات آج تک موجود ہیں۔

تھے تو آباء وہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو

ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو۔

آج ہمیں بھی اپنے تعلیم کے نظام کو بحال کرنے کی ضرورت ہے تاکہ جدید تقاضوں کے عین مطابق خود کو تیار کر سکیں۔

سوال نمبر 4 (صفحہ نمبر 1)

شاعر کا نام : جوشؔ ملیح آبادی۔
نظم کا نام : مناظرِ سحر۔
صنفِ ادب : نظم۔

تشریح

اس نظم کے شاعر "جوش ملیح آبادی" کو فطرت کا شاعر بھی کہا جاتا ہے۔ وجہ اس کی عیاں ہے کہ کس قدر خوب صورتی سے انہوں نے مناظرِ سحر کو بیان کیا ہے کہ پڑھنے والے کو لگتا ہے کہ وہ انہی مناظر میں کہیں گم سا ہو گیا ہے۔

اس بند میں شاعر صبح کے نمودار ہونے کے اثرات بیان کر رہے ہیں کہ صبح کے ظہور پر کس طرح مختلف چیزیں اپنا اثر دکھاتی ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ جب صبح کے وقت بادِ نسیم چلتی ہے تو گلوں کی ساری خوشبو اس جہاں میں پھیل جاتی ہے۔ اور جس کی بدولت کلیاں چہچہانے لگ جاتی ہیں مسکرانے لگ جاتیں ہیں۔

اے صبا! مصطفیٰ کو کہہ دینا۔
غم کے مارے سلام کہتے ہیں۔

صبح کی صبا نسیم کا پھیلنا بطور ضرب المثل استعمال ہوتا ہے۔ جب صبح صادق نمودار ہوتی ہے اور جب تاریکی آخری مراحل میں ہوتی

سوال نمبر 4 (صفحہ نمبر 2)

اور جب سمندر اس سناٹے میں شور مچاتا ہے تو یہ سب کس قدر مسحور کن ہوتا ہے۔

صبح کو جب پھول اور کلیوں پر اوس گرتی ہے تو کیا انکا کھلنا ہوتا ہے اور کیا وہ نظارہ ہوتا ہے ایسے لگتا ہے جیسے موتی مسکرا رہے ہوں اور بادِ صبا کے نتیجے میں جب سبزہ لہلہاتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے خوشی سے کوئی ناچ رہا ہو۔

ہوا کا اثر یہ ہوتا ہے کہ درختوں کی شاخیں باہم آپس میں مصافحہ کرتیں ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے کوئی تالیاں بجا رہا ہو۔

یہ خوشبو کا پھیلنا، ہلکی باریک روشنی کا ہونا، کلیوں کا مسکرانا، سبزے کا لہلہانا، شاخوں کا باہم آپس میں مصافحہ کرنا یوں لگتا ہے کہ جیسے عید کا سماں ہو گیا ہے۔ عید خوشی سے استعارہ ہے کیونکہ لوگ عید پر بے انتہا خوش ہوتے ہیں اسی طرح صبح کے مناظر کو بھی دیکھ کر فطرت کے دلدادے بے انتہا خوش ہو جاتے ہیں۔

e اٹھ آنکھ کھول زمین، فلک دیکھ، آسمان دیکھ۔
مشرق سے نکلتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ۔

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 1)

شاعر کا نام : ظفر اقبال

غزل کا نام : مل کے بیٹھے نہیں، خوابوں میں شراکت نہیں کی -

صنف ادب : غزل -

—٠:(۱):٠—

تشریح : اس شعر میں شاعر اپنے محبوب کو کہنا چاہتا ہے کہ ہم میں تو کبھی محبت تھی ہی نہیں - ہم نے آپس میں محبت نہیں کی کیونکہ جب دو لوگ ملتے ہیں، آپس میں بات چیت کرتے ہیں، ایک دوسرے کو جانتے ہیں، ایک دوسرے کے احساسات کو محسوس کرتے ہیں تب جا کر ان میں کہیں محبت پیدا ہوتی ہے - گویا کہ یہ محبت کے لیے شرط ہے اور شاعر کہتا ہے ہم نے تو کبھی ایسا نہیں کیا ہے۔ نہ ہم ملے ہیں، نہ بات چیت، نہ ایک دوسرے کو خوابوں میں دیکھا تو ہماری محبت کیسی ہوتی -

ع الفت کا مزہ جب ہے کہ ہو وہ بھی بے قرار
دونوں طرف آگ برابر لگی ہو -

جبکہ شاعر کہتا ہے کہ یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے نہ تو میری طرف رغبت ہے اور نہ مجھ کو تجھ سے کوئی سروکار ہے۔

سوال نمبر5 (صفحہ نمبر 2)

—:: (ii) ::—

اس شعر میں شاعر اُس سوچ کی تردید کر رہا ہے کہ جب کسی کا محبوب اسکو چھوڑ کر چلا جائے تو وہ دیوانہ ہو جاتا ہے - وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر صحرا نشین بن جاتا ہے اور بات بات پر لڑنے کو دوڑتا ہے -
شاعر کہتا ہے میں نے تو ایسا کچھ بھی نہیں کیا - جب تم نے مجھے ٹھکرایا ہے تو میں تو نہیں ہوں شریف آدمی کی طرح نہ کسی سے لڑتے جھگڑتے ہیں اور نہ ہی میں نے اپنا گھر بار چھوڑا ہے - شاعر کی مراد ہے کہ میں نے اگر محبت کی ہے تو اسکے انجام سے ڈرا نہیں ہوں - میں محبت کے اصولوں کو اچھی طرح جانتا ہوں - میں ان عاشقوں کی طرح نہیں جو خود بھی زمانے کے سامنے تماشہ بنتے ہیں اور اپنی محبوب کا بھی تماشا بناتے ہیں - میں نے یہ سب کچھ خاموشی سے برداشت کر لیا -
شاعر نے اس حوالے سے کیا خوب کہا -

ع خموش اے دل! بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا -
ادب پہلا قرینہ ہے، محبت کے قرینوں میں -

حصہ (سوئم)

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 3)

—•:(iii):•—

شاعر کا انداز اردو کے روایتی شاعروں سے ذرا مختلف ہے ۔ یہاں شاعر نے انا اور خوداری کو محبوب پر ترجیح دی ہے ۔ باقی شعراء کی طرح محبوب کی بے رخی کا رونا نہیں رویا ہے ۔ اس شعر میں شاعر کہتا ہے کہ اے محبوب ! میرے ساتھ تو تیرا سلوک کوئی خاص تھا نہیں ۔ جس طرح تو باقیوں سے ملتی تھی مجھ سے بھی وہی سلوک تھا تیرا ۔ اس کے بدلے میں یہ نہیں کہ میں تیری بے رخی کا رونا روؤں میں نے بھی وہی تیرے وال انداز اپنایا ہے ۔ اگر تو نے مجھ پر کوئی عنایت نہیں کی تو میں نے بھی تجھ پر کوئی رعایت نہیں کی ۔ اس طرح ہمارا حساب برابر ہوگیا ۔ اب مجھے تیرا دکھ لے کر ساری عمر روتے نہیں گزارنی بلکہ اپنی نئی زندگی شروع کرنی ہے ۔

دل و دماغ سے ناآشنا کر دیتی ہے انساں کو ۔
کیا عجب چیز ہے لذتِ آشنائی !

حصہ(سوئم)

سوال نمبر 6 (صفحہ نمبر 1)

پرانے کوٹ کی آپ بیتی -

آج اگرچہ کسی کی نظر میں میری کوئی وقعت نہیں اگرچہ سب مجھ کو معمولی سمجھتے ہیں مگر میں ہمیشہ سے ایسا نہیں تھا - میری زندگی کا سفر بہت اتار چڑھاو سے ہو کر گزرتا ہے -

ایک وہ بھی وقت تھا کہ میرے مالک نے مجھے بڑے ارمان سے خریدا تھا - اُس وقت میں خوبصورت اور چمکیلا ہوا کرتا تھا - میرا مالک مجھے دل و جان سے عزیز رکھتا تھا - وہ مجھے صرف خاص خاص اوقات میں پہنتا تھا - جو بھی کوئی مجھے دیکھتا تھا میری تعریف کیے بغیر نہ رہ پاتا جس کی بدولت میرا مالک مجھے اور سنبھال کر رکھتا - مجھے اپنی عزت اور وقعت کا احساس ہوتا تھا - گھر لوٹتے ہی وہ مجھے اتار کر لفافے میں بند کر کے الماری میں رکھ دیتا جہاں مجھے باقی سب چیزوں سے زیادہ شاہی محسوس ہوتا تھا -

مگر ایک بات ہے کہ اس دنیا میں صرف تغیر کو ہی دوام ہے - رفتہ رفتہ میرے مالک کا دل مجھ سے بھر گیا اب وہ مجھے کسی بھی فنکشن میں پہن کر نہیں جاتا تھا اسکو اس بات کا ڈر تھا کہ لوگ اس کے کوٹ کو پرانا جانے گئیں - اب میں صرف گھریلو استعمال کے لیے رہ گیا تھا -

سوال نمبر 6 (صفحہ نمبر 2)

اب کسی کو میری کوئی فکر نہیں ہوتی تھی۔ میں گندا ہوں یا مجھ پر کوئی سالن یا تری گرے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ میرا جگہ اور کوٹوں نے لے لی تھی۔ "میں بھی ان کو دیکھ کر دل ہی دل میں ہنستا تھا کہ کچھ دیر کے مزے ہیں تمہارہ بھی یہی حال ہوگا"۔

بہرکیف میں آج جیسا بھی ہوں میں نے ہمیشہ اپنی ذمہ داری نبھائی ہے۔ اگرچہ میں اس دنیا میں چند ہی دنوں کا مہمان ہوں مگر مجھ سے جڑی یادیں لازوال ہیں۔ میں اس گھر کی دیوار پہ لگی تصویر میں آکر ہمیشہ کے لیے امر ہو چکا ہوں۔ اب چاہیے مرا انجام جو بھی ہو مجھے اس کی کوئی فکر نہیں کیونکہ میں نے اپنے حصہ کا سب کچھ پا لیا ہے۔

آخر میں وہ حسرت سے یہ شعر گنگناتا ہے۔

لائی حیات آئے، قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے۔

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 1)

سائنس اور ہماری زندگی -

آنکھ جو دیکھ سکتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں یہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی۔

سائنس کسی بھی چیز کو حقیقت اور تجربات کی بنا پر جانچنا اور پرکھنے کا نام ہے۔ انسان نے اس دنیا میں آکر ادھر ادھر مختلف حقائق کا جائزہ لیا تو اس کے سامنے کئی راستے کھل گئے۔ انسان نے اپنے علم اور تحقیق کو بروکار لاتے ہوئے مختلف اور جدید ترین اشیاء ایجاد کیں جن کی بدولت انسان کی زندگی میں وہ وہ آسانیاں پیدا ہوگئیں جن کا اس سے قبل تصور کرنا بھی محال تھا۔

آج اگر ہم اپنے اردگرد نظر کو دوڑائیں تو ہمیں اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ آج کے دور میں کوئی شعبہ ایسا نہیں چاہے وہ صنعت کا ہو یا زراعت کا، مواصلات کا ہو یا تعلیم کا کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں جو سائنس اور ٹیکنالوجی کے زیر اثر کارفرما نہ ہو۔ طب کے شعبے کو لے لیں۔ اگر ہم آج کے زمانے کا تقابل پہلے سے کریں تو کئی بیماریاں ایسی نظر آئیں گی جو ماضی میں لوگوں کی جان لیتے

حصہ (سوئم)

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 2) کا سبب بنتی تھیں مگر آج سائنس کی بدولت جدید ٹیکنالوجی کے سبب ان پر مکمل طور پر قابو پایا جا چکا ہے مثلاً یرقان، کینسر، طاعون وغیرہ اور صرف یہ نہیں آج کل جدید مشینی آلات سے آپریشن کیے جاتے ہیں اور مریضوں کے ریکارڈ کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔

انگریزی کا مقولہ ہے کہ :-

"Science is a silent doctor save millions everyday"-

اگر ہم اپنے سفر کو دیکھیں تو کس قدر جدید نظام ہو چکا ہے۔ سالوں کا سفر مہینوں، مہینوں کا ہفتوں اور ہفتوں کا سفر دنوں میں ہونے لگا ہے اور آرام اور آسائش کا پہلو الگ سے ہے۔

ڈر ہے کہ چھو نہ لے کہیں بندگی خدائی کو
معراجِ ارتقاءِ بشر دیکھتا ہوں میں۔

اس کے علاوہ صنعت و تجارت میں سائنس کی بدولت بے پناہ ترقیاں ہوئیں ہیں۔ پوری دنیا ایک "گلوبل ویلج" بن چکی ہے۔ تعلیم کے میدان میں جدیدیت آ چکی ہے۔ آج کوئی گھر ایسا نہیں جہاں اس نے اپنے قدم نہ جما لیے ہوں۔ ہر چھوٹا، بڑا ان آلات سے لیس ہے۔

انگریزی کا مقولہ ہے کہ :-

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 3)

"Technology grows crops, feeds cities and builds nations"-

جہاں سائنس اور ٹیکنالوجی کے ہم انسانوں پر جس قدر احسانات ہیں وہاں اس کے کچھ نقصانات بھی ضرور ہیں۔ اس نے نہ صرف بچوں کو اپنے پیچھے لگا دیا ہے بلکہ بڑے بھی کچھ کم نہیں۔ لوگ ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے نہیں، باتیں نہیں کرتے ہر کوئی بس اپنی الگ دنیا میں مشغول ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کی بدولت انسانوں کے اندر سے احساس مر چکا ہے تو بجا ہو گا۔

دل کی ہے موت مشینوں کی زندگی e
احساسِ مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

جہاں اس کی بدولت انسان سکھ کی زندگی بسر کر رہے ہیں وہیں اس نے تباہی و بربادی کے کچھ ایسے آلات بھی بنائے ہیں جن کی بدولت پوری نوعِ انسانیت خطرے میں۔ ایٹم بم، میزائیل اور جگہ بہ جگہ قتل و غارت اسی کا دیا ہوا ایک سنہری تحفہ ہے۔

تو معلوم ہوا کہ جہاں اس کے کئی مثبت پہلو انسان کی زندگی پر اثر انداز ہو رہے ہیں وہاں اس

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 4)

کے کچھ منفی پہلو بھی ہیں مگر اس کا استعمال تو ہم
انسانوں کے ہاتھ میں ہی ہے۔ ہم پر ہی منحصر ہے کہ
ہم اس سے کیسے فائدہ اٹھاتے ہیں۔
کسی نے کیا خوب کہا کہ
"سائنس دو دھاری تلوار ہے۔ یہ ہم
پر ہے کہ اس کا استعمال کیسے کرتے ہیں۔

ہمیں چاہئے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کو صحیح
معنوں میں سیکھیں تاکہ جدید دنیا کے ساتھ قدم
بہ قدم چل سکیں۔